# کیا دہشت گردی کا خطرہ اب بھی ہے؟

تحریر: جان موئیلر*

ترجمہ وتلخیص: پروفیسر اے ڈی میکن

پچھلے پانچ سالوں سے امریکی عوام کو القاعدہ کے امریکہ پر ایک اور بڑے حملے کے خطرے کے ذہنی دباؤ میں رکھا جارہا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں سینئر حکومتی اہلکاروں اور کاروباری دنیا کے کوئی ۲۰۰ نمائندوں نے، جن میں سے اکثریت کو دہشت گردی کے خلاف کارروائیوں اور حفاظتی انتظامات میں مہارت کا دعویٰ تھا، ایک مشترکہ اعلان میں کہا کہ اس امر کا قوی امکان ہے کہ ۲۰۰۴ء کے اختتام تک امریکہ پر گیارہ ستمبر کے حملے کے مقابلے میں کہیں زیادہ تباہ کن حملہ کیا جا سکتا ہے جو ممکن ہے بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے ذریعے کیا جائے۔ مئی ۲۰۰۴ء میں امریکی اٹارنی جنرل جان ایش کرافٹ نے تنبیہہ کی کہ القاعدہ آئندہ چند مہینوں میں امریکہ کی سرزمین پر ایک ''سخت حملہ'' کرنے کو ہے جس کی ۹۰ فیصد تیاری کی جا چکی ہے۔ ہم اس پر عقیدے کی حد تک یقین رکھتے ہیں کہ القاعدہ ۲۰۰۴ء کے انتخابات کے سلسلے میں ہونے والے اجتماعات پر حملہ کر سکتی ہے۔ اسے October Surprise کا نام دیا گیا، مگر جب یہ پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی تو توجہ ہٹانے کے لیے اسامہ بن لادن سے منسوب ایک وڈیو ٹیپ کی خبر گردش میں آ گئی جس کے بارے میں کہا گیا کہ اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اگرچہ وہ انتخابات سے قبل حملے کی پوزیشن میں نہیں ہے مگر ایسا کر گزرنے کے لیے وہ پوری پوری تیاری میں ہمہ تن مصروف ہے اور انتخابات کے چند ماہ بعد ایسا ہو کر رہے گا۔

ہوم لینڈ سیکورٹی کے محکمے کے فنڈ سے تیار کیے گئے اولین دستور العمل کے پہلے ہی صفحے پر درج ہے کہ:

---

* جان موئیلر (John Mueller) اوہائیو سٹیٹ یونیورسٹی میں سیاسیات کے پروفیسر ہیں۔ یہ مضمون فارن افیئرز کے شمارے ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔

''آج کا دہشت گرد کہیں بھی، کسی وقت بھی اور کسی بھی قسم کے ہتھیار کے ذریعے حملہ آور ہو سکتا ہے''۔

مگر سوال یہ ہے کہ اگر حملہ کرنا اتنا ہی آسان اور ممکن العمل ہے اور (ان اداروں اور افراد کے بقول) دہشت گرد اتنے ہی ماہر ہیں تو وہ آج تک ایسا کر کیوں نہیں گزرے؟ مثلاً انہوں نے خریداری کے مراکز پر حملے کیوں نہیں کیے، سرنگیں تباہ کیوں نہیں کیں، خوراک کی سپلائی کو زہرآلود کیوں نہیں کیا، بجلی کے تار منقطع کیوں نہیں کیے، ریل گاڑیوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے پٹڑیاں کیوں نہیں اکھاڑیں، تیل کی پائپ لائنوں کو بموں سے کیوں نہیں اڑایا، ٹریفک روکنے/منجمد کرنے کے لیے کوشش کیوں نہیں کی یا اسی طرح کی اور بے شمار تباہ کن کارروائیاں جو ممکن ہو سکتی تھیں اور خود سیکیورٹی ماہرین کے بقول ان پر آسانی سے عمل ہو سکتا تھا مگر ظاہر ہے کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔

اس کی ایک معقول توجیہ تو یہی ہو سکتی ہے کہ امریکہ کے اندر تو ایسے دہشت گرد ہیں ہی نہیں اور ایسا بھی شاید ہی کوئی ہو جو باہر سے امریکہ پر حملہ آور ہونے کی سکت یا حوصلہ رکھتا ہو۔ مگر یہ وضاحت بہت کم پیش کی گئی ہے۔

## متعلقین کی ٹامک ٹوئیاں

درحقیقت وہی لوگ جو امریکی عوام کو ان ناگہانی اور اندوہناک حملوں کے خطرے سے ڈرائے رکھتے ہیں، اب تک حملہ نہ ہونے کا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ چونکہ گیارہ ستمبر کے سانحے کے بعد امریکی حکومت نے بہت جلد ایک مستحکم اور فعال حفاظتی نظام قائم کر دیا ہے اس لیے دوبارہ حملہ نہیں ہو سکا۔ مگر یہ دلیل بھی مسکت نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ پچھلے پانچ سال سے امریکہ میں دہشت گردی نہیں ہوئی۔ مگر گیارہ ستمبر کے واقعے سے پانچ سال پہلے بھی ایسی کوئی حرکت نہیں ہوئی حالانکہ اس وقت حفاظتی انتظامات بھی کچھ خاص نہیں تھے۔ دہشت گردی کے لیے یاد رکھنا چاہیے کہ محض دو آدمی بندوق یا کلاشنکوف کے ساتھ کافی دہشت پھیلا سکتے ہیں۔ ۲۰۰۲ء میں واشنگٹن ڈی سی میں ہونے والے Sniper attacks کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ حکومت کی طرف سے کیے گئے حفاظتی اقدامات ایسے ہی جامع ہونے چاہییں

جن میں ایسی کسی بھی منصوبہ بندی سے نمٹنے کی صلاحیت موجود ہو۔ مگر قطرینہ کے طوفان سے پیشگی مطلع نہ ہو سکنے اور متعلقہ انتظامات میں ناکام رہنے کے علاوہ ایف بی آئی اور نیشنل سیکیورٹی کونسل کی بہتر خفیہ اطلاعات کے حصول کے لیے کمپیوٹر کے نظام کو پہلے سے بہتر کرنے کے عمل کے دوران پیدا ہونے والے گھمبیر مسئلے کی مثالوں کو سامنے رکھیں تو یہ وضاحت کچھ دل کو لگتی نہیں۔ علاوہ یہ کہ اسرائیل بھی (جہاں حفاظتی انتظامات امریکہ کے مقابلے میں کہیں سخت ہیں) دہشت گردی کی کارروائیوں سے مکمل طور پر محفوظ نہیں۔

ہوسکتا ہے کھلے عام دہشت گردوں کا امریکہ میں داخل ہونا آسان نہ ہو مگر جہاں ہزاروں لوگ روزانہ ملک میں آ جا رہے ہوں وہاں یہ اس قدر ناممکن بھی نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امریکہ کے امیگریشن کے قوانین انتہائی سخت کر دیے گئے ہیں (اور اس پر لاگت بھی بے تحاشا آئی ہے) اور امریکی سرحدی محافظوں نے اس ضمن میں بعض لوگوں کو گرفتار بھی کیا ہے، مگر آج بھی ملک میں آنے والے مہاجرین اور سیاحوں کا ایک ریلہ ہے کہ آئے چلا جاتا ہے۔ یہاں پر ہر سال اوسطاً ۳۰۰ ملین (۳۰ کروڑ) لوگ قانونی طور پر آتے جاتے ہیں۔ اور کوئی ایک ہزار سے چار ہزار تک افراد روزانہ غیر قانونی طریقوں سے بھی ملک میں آتے ہیں اور اسی دوران ایسا بہت سا مواد (منشیات وغیرہ) بھی ملک میں مسلسل لایا جا رہا ہے جس کے آنے پر سرکاری طور پر پابندی عائد ہے اور حکومتی ادارے آج تک اس کا مکمل تدارک نہیں کر سکے۔ حالانکہ منشیات کی درآمد کی روک تھام کے لیے حکومت کئی دہائیوں سے اپنے انتظامات کو بہتر سے بہتر بناتی چلی جا رہی ہے اور اس پر جانے کتنا سرمایہ خرچ کر چکی ہے۔ ہر سال میکسیکو سے آنے والے سینکڑوں لوگ جو دراصل مسلم ممالک کے شہری ہوتے ہی ان انتظامات کے نتیجے میں گرفت میں آ جاتے ہیں مگر اس سے کئی گنا بچ کر نکلنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ اور پھر دہشت گردی کے لیے کوئی فوج تو درکار ہوتی نہیں اور گیارہ ستمبر کے واقعے کے منصوبہ سازوں کے ذہن میں بھی واضح طور پر یہ بات ہوگی کہ وہ دن دیہاڑے مشرقِ وسطیٰ سے مردوں کو (جو داڑھیوں سے مشتبہ ہو جاتے ہیں) ایسی مہموں کے لیے بھیج کر یہ احمقانہ حرکت کریں۔ کیا وہ دیگر علاقوں کے افراد کو یورپ اور جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کے پاسپورٹوں پر یہاں نہیں بھیج سکتے؟

اگر القاعدہ کے مجاہدین اتنے ہی باصلاحیت اور پرعزم ہیں جتنا کہ ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے تو وہ یقیناً اب تک اپنے منصوبوں پر عمل کر چکے ہوتے اور اگر وہ اس وقت تک یہاں نہیں پہنچے تو اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یا تو پرخلوص کوشش نہیں کر رہے یا پھر اس کے لیے مکمل طور پر پرعزم نہیں۔ اور نہ ہی ایسی صلاحیت کے حامل ہیں جیسا کہ ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے۔

مزید حملے نہ ہونے کی ایک اور معقول وضاحت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ افغانستان پر قبضے کے نتیجے میں القاعدہ کو منتشر کیا جا چکا ہے اور اب ان میں ایسی منصوبہ بندی کی سکت نہیں رہی، یہ الگ بات ہے کہ یہ سب کچھ کر لینے کے باوجود بھی بن لادن کو قابو نہیں کیا جا سکا، مگر یہ دلیل بھی پہلے پیش کی گئی دلیلوں کی طرح موثر نہیں۔ توجہ طلب امر یہ ہے کہ میڈرڈ میں ریل گاڑی میں دھماکے کا ذمہ دار ایک چھوٹا سا گروہ ہے جس کا کوئی رکن شاید ہی کبھی افغانستان گیا ہو۔ اور اس گروپ سے کہیں زیادہ لوگ تو القاعدہ کے ایک کیمپ میں موجود ہوں گے۔ ان کا یہ حملہ ۱۳ ریموٹ کنٹرول بموں سے کیا گیا اور ظاہر ہے کہ یہ خودکش حملہ نہ تھا۔ ان ۱۳ بموں میں سے دس بیک وقت پھٹے جن کے نتیجے میں ۱۹۱ افراد ہلاک اور کوئی ۱۸۰۰ لوگ زخمی ہوئے۔ اس حملے سے اور پھر ۲۰۰۵ء میں لندن میں ہونے والے بم حملوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''دہشت گرد حملوں میں کامیاب ہونے کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہتھیار وہ منصوبے ہیں جنہیں پکڑے جانے یا انکشاف ہو جانے کے خوف کے بغیر نہایت آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے''۔ اسی بات کا اظہار خود امریکی انسداد دہشت گردی کے اہلکار ڈینیل بنجمن اور سٹیون سائمن بھی کر چکے ہیں۔

اس ضمن میں مزید حملوں میں تاخیر کی ایک توجیہہ یہ بھی پیش کی جا رہی ہے کہ دہشت گرد اس وقت ساری توانائی، افرادی قوت اور سرمایہ عراق میں امریکیوں اور غیر امریکیوں کو قتل کرنے میں صرف کر رہے ہیں۔ اس لیے فی الحال امریکی سرزمین پر کسی بڑی دہشت گردانہ کارروائی ان کے لیے ممکن نہیں۔ مگر یہی لوگ جو القاعدہ سے ہیں یا اس تنظیم سے ہمدردی رکھتے ہیں ایسی دہشت گردی عراق کے باہر یعنی مصر، اردون، مراکش، سعودی عرب، سپین، شام، ترکی اور برطانیہ میں کر چکے ہیں۔ یہ سب حملے گزشتہ تین سالوں کے دوران ہوئے ہیں اور ان حملہ آوروں میں سے شاید ہی کسی نے عراقی کارروائیوں میں حصہ لیا ہو۔

اس ضمن میں ایک توجیہہ یہ بھی ہے کہ امریکہ میں حملوں سے اجتناب کی ایک وجہ وہ مسلم آبادی ہے جو امریکی عوام سے گھل مل کر رہتی ہے اور امریکیوں پر حملے کی صورت میں مسلمانوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے جبکہ یورپی ممالک میں ایسی صورت حال نہیں۔ لیکن کم از کم برطانیہ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں بھی امریکہ کی طرح مسلمان انگریزوں میں گھل مل کر رہتے ہیں مگر پھر بھی وہاں ۲۰۰۵ء میں خطرناک کارروائیاں کی جا چکی ہیں اور پھر یہ بھی دیکھیے کہ بہت سے یورپی ممالک مثلاً جرمنی، فرانس اور ناروے میں جہاں مسلمان مقامی آبادی سے گھل مل کر نہیں رہتے، ایسی دہشت گردی سے ابھی تک محفوظ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دہشت گرد اتنے ہی چالاک ہیں تو وہ مسلم آبادی سے دُور دُور ہی رہیں گے کیونکہ اس وقت سب سے زیادہ جاسوس مسلم آبادی ہی میں گھسے ہوئے ہیں تا کہ ایسے آلہ کار افراد کا سراغ لگا سکیں جنہوں نے گیارہ ستمبر کے واقعے کی منصوبہ بندی کی تھی ان کے بارے میں رپورٹ یہ ہے کہ انہیں مسجدوں اور مسلم آبادی کے مراکز سے دُور رہ کر کارروائیاں کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔ اس سے اور میڈرڈ میں ہونے والے حملوں سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی دہشت گردانہ سازشوں کے لیے کسی بہت بڑے امدادی نظام کار کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک توضیح و توجیہہ یہ بھی ہے کہ القاعدہ کو مناسب کارروائی کے لیے وقت درکار ہے مگر سوال یہ ہے کہ کس لیے؟ گیارہ ستمبر کے واقعے کی منصوبہ بندی دو سال سے بھی کم مدت میں کی گئی۔ اسی طرح میڈرڈ میں ہونے والے حملے بڑے مربوط تعاون سے کیے گئے جو بڑے تباہ کن تھے اور ان کے بڑے وسیع سیاسی مضمرات بھی تھے مگر یہ سب کچھ صرف چھ ماہ کی منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا اور یہ بات قابل غور ہے کہ یہ بم پھٹنے سے صرف دو ماہ پہلے تخریب کاروں کے آتش گیر مادہ خریدنے کے شواہد ملے ہیں۔ اس خرید کے عوض انہوں نے حشیش فراہم کی تھی۔ (اسی طرح ٹموتھی میک ویہہ نے ۱۹۹۵ء میں اوکلاہوما شہر میں کیے جانے والی دہشت گردی کی منصوبہ بندی تقریباً ایک سال میں مکمل کی تھی)۔ ۲۰۰۳ء میں عراق پر قبضے کے نتیجے میں مسلمان دہشت گردوں کو یقیناً اپنے منصوبوں کے معیار کو بہتر کرنا پڑا ہوگا جس کے لیے نظام الاوقات میں تبدیلی ممکن ہے لیکن اگر وہ واقعی اتنے ہی ٹھنڈے دماغ کے ہیں تو وہ آئے دن یہ ہوا کیوں کھڑا کیے رکھتے ہیں کہ حملہ ہوا کہ ہوا! یہ ۲۰۰۳ء ہی کی بات ہے کہ (عراق پر حملے کے نتیجے میں) القاعدہ کی اعلیٰ

قیادت نے اعلان کیا تھا کہ وہ دہشت گردانہ کارروائیوں کے لیے آسٹریلیا، بحرین، مصر، اٹلی، جاپان، اردن، کویت، قطر، سعودی عرب، امریکہ اور یمن کو نشانہ بنائیں گے۔ اس اعلان کے تین سال بعد بعض ملکوں مثلاً سعودی عرب، مصر، یمن اور اُردن میں دہشت گردی کی کارروائیاں ہوئیں۔ مگر کسی دوسرے ملک میں جہاں کے لیے دھمکی میں اظہار کیا گیا تھا، ایسی کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ اگرچہ یہ حملے ظالمانہ کارروائیوں کی حیثیت رکھتے ہیں مگر ان سے یہ ثبوت تو ملتا ہی ہے کہ امریکی انتباہ کار اکیلے نہیں ہیں جنھوں نے معاملے کو یوں بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔

## آستین میں دہشت گرد

اس امر کی ایک معقول توجیہہ کہ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد سے امریکہ میں دہشت گردی کا کوئی واقعہ نہیں ہوا، یہ بھی پیش کی جارہی ہے کہ اندرون امریکہ مقامی یا بیرون ذرائع سے ہونے والی دہشت گردی کو بالکل اسی طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے جس طرح دوسری جنگ عظیم سے قبل امریکہ میں مقیم جاپانیوں یا اس جنگ کے بعد امریکی کمیونسٹوں کی کارروائیوں کو بہت بڑھا کر پیش کیا گیا تھا۔ مگر حقیقت وہ نہیں تھی جس کا ڈھنڈورا پیٹا گیا تھا۔

امریکی ایف بی آئی نے بھی ممکنہ دہشت گردی کے حوالے سے زیادہ تر محض خیال آرائی ہی سے کام لیا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں اس کے ڈائریکٹر رابرٹ موئیلر نے دعویٰ کیا:

> ''امریکہ پر حملوں کا سب سے بڑا خطرہ القاعدہ کے ان شعبوں سے ہے جن کا سراغ لگانے میں ہم ابھی تک ناکام رہے ہیں''۔

اس نے بڑے پراسرار انداز میں یہ بھی کہا کہ ان غیر شناخت شدہ عناصر سے ''اس خطے میں خطرہ بڑھ رہا ہے اور اس کی وجہ وہ تشہیر ہے جو ۲۰۰۲ء کے چھپ کر گولیاں چلانے والے حملے (sniper attacks)، اور ۲۰۰۱ء میں اینتھر اکس حملوں کے حوالے سے کی گئی ہے'' اور یہ بھی طے ہے کہ ۲۰۰۱ء میں گیارہ ستمبر کے واقعے کی منصوبہ بندی کرنے والوں کو مقامی القاعدہ تنظیم سے کوئی امداد نہیں ملی ہوگی کیونکہ اس وقت امریکہ میں ایسی کسی تنظیم کا وجود ثابت ہی نہیں ہوتا، اور ابھی تک صورت حال تبدیل ہونے کا بھی

کوئی واضح ثبوت نہیں مل سکا۔

موئیلر کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اسے معلوم ہے کہ القاعدہ نہ صرف امریکہ کے اندر کارروائی کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی ہے بلکہ وہ معمولی سی تنبیہہ کیے بغیر بھی کوئی بڑی کارروائی کرگزرے۔ اگر یہ درست ہے اور اگر واقعی القاعدہ ۲۰۰۳ء میں اس بات کی صلاحیت بھی رکھتی تھی اور ارادہ بھی اور اس کے بقول وہ خطرہ اب اور بھی بڑھ گیا ہے تو یہ امر نا قابل فہم ہے کہ القاعدہ اب تک پراسرار طور پر خاموش کیوں ہے؟ جبکہ موئیلر نے تو ۲۰۰۵ء میں بھی یہی الفاظ دہرائے ہیں کہ:

''میں اب بھی اس خطرے سے خوف زدہ ہوں جسے ہماری ظاہری نگاہیں نہیں دیکھ پا رہیں''۔

سراغ رساں ذرائع کے مطابق ۲۰۰۲ء میں امریکہ کی سرزمین پر کوئی ۵۰۰۰ کے قریب القاعدہ کے ارکان یا ان کے حمایتی موجود تھے۔ تاہم ۲۰۰۵ء میں منظر عام پر آنے والی ایک خفیہ ایف بی آئی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگرچہ ملک بھر میں تین سال کی طویل مشقت طلب اور مہنگی تلاش کے بعد اکادکا افراد کو محض اس بنیاد پر گرفتار کیا گیا ہے کہ وہ بُری شہرت رکھتے تھے تاہم القاعدہ کے باقاعدہ ارکان کے کسی مستند ٹھکانے کا سراغ نہیں لگایا جاسکا۔ اگرچہ ایک متنازعہ بلا اطلاع نگرانی کے نظام کے تحت ہزاروں لوگوں کے بیرون ملک ذرائع ابلاغ کے رابطوں کو مانیٹر کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود ہر سال اوسطاً دس امریکی شہری یا یہاں سکونت پذیر افراد کے روابط پر اتنا سا شبہ کیا جاسکا ہے کہ ان کو کسی باضابطہ نگرانی کے نظام میں لایا جائے تاہم ان کوششوں کے باوجود ان رابطوں کے غیر قانونی ہونے کا کوئی ٹھوس ثبوت فراہم نہیں کیا جاسکا۔

نگرانی کی ان کارروائیوں اور بعض گرفتاریوں کے علاوہ ملک بھر کے کاروباری اداروں کو ہر سال تقریباً ۳۰ ہزار سرکاری مراسلے جاری کیے جاتے ہیں جن میں ان سے ان کے گاہکوں یا رابطہ کاروباروں کے متعلق اس تنبیہ کے ساتھ معلومات طلب کی جاتی ہیں کہ انہیں اس کارروائی کی خبر نہ ہونے پائے۔ بظاہر ان کارروائیوں سے بعض سراغ ملے ہیں مگر ان کا پیچھا کرنا بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔ کوئی ۸۰ ہزار کے قریب عربوں اور مسلمانوں کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنی انگلیوں کے نشانات مہیا کریں اور باقاعدہ رجسٹریشن کروائیں۔ ان کے علاوہ آٹھ ہزار افراد کو ایف بی آئی کے ہیڈکوارٹرز میں پوچھ گچھ کے لیے بلایا

گیا ہے۔ اور دہشت گردی کی روک تھام کے ابتدائی اقدامات کے طور پر کوئی پانچ ہزار غیر ملکی شہریوں کو حراست میں بھی لیا گیا ہے۔ مگر جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈیوڈ کول کے مطابق اس ساری کارروائی کے نتیجے میں دہشت گردوں کے کسی نظام کار کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ درحقیقت دہشت گردی کے الزام میں پکڑے گئے افراد کی ایک معمولی سی تعداد پر کچھ جرائم ثابت ہو سکے ہیں اور وہ بھی دہشت گردی یا اس کی منصوبہ بندی سے متعلق نہیں بلکہ معمولی نوعیت کی بے قاعدگیوں کے حوالے سے ہیں جن میں امیگریشن کے بعض ضابطوں کی خلاف ورزی وغیرہ شامل ہیں۔ البتہ ان گرفتار لوگوں میں سے کچھ ذہنی توازن سے عاری یا کسی دیوانگی میں مبتلا افراد بھی شامل ہیں، جو جہادیوں کو محض دینی جذبات کی وجہ سے سراہتے ہیں اور ان کی نقالی کی کوشش کرتے ہوئے کچھ دعوے کرتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ بلوٹارچ کی مدد سے بروک لین کا پل اڑا دیں گے یا کینیڈا کے وزیر اعظم کا سر اڑا دیں گے یا کسی طریقے سے زیر زمین ہیٹن کی سرنگ کو پانی سے بھر دیں گے یا ایسی سرنگوں کے ساتھ کوئی اور خطرناک کارروائی کریں گے۔

## تخریب کی پیاس

القاعدہ یا اس جیسے دوسرے گروہ اور تنظیمیں گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد کیوں ایسی کارروائیاں کرنے میں دلچسپی لیتی نظر نہیں آتیں، اس کی ایک توجیہہ یہ بھی ہے کہ ڈرامائی انداز میں اتنی بڑی تباہی سے اس کے ذمہ دار کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے بلکہ اس کے باعث دنیا بھر نے دہشت گردی کے خلاف متحد ہو کر ان کے کام کو اور بھی مشکل بنا دیا ہے۔ اس سے غرض نہیں کہ بعض دوسرے معاملات میں (مثلاً عراق پر امریکی قبضے پر) یہ ممالک کس حد تک متفق ہوئے ہیں، مگر ایران، لیبیا، سوڈان اور شام اخلاقی طور پر پابند ہیں کہ القاعدہ کا قلع قمع کرنے کی کارروائیوں میں تعاون کریں کیونکہ وہ خود بھی اس تخریب کار تنظیم کی (دہشت گردانہ) کارروائیوں کے لیے سرفہرست ہیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ ایف بی آئی نے خود امریکہ کے اندر گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد کسی طرح کا مؤثر سراغ (القاعدہ سے متعلق) نہ پایا ہو مگر امریکہ کی مدد اور حوصلہ افزائی سے بعض دوسرے ممالک میں اس تنظیم کے بہت سے لوگ قابو میں آئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ بعض عربوں اور مسلمانوں نے گیارہ ستمبر کو ہونے والی تباہی پر خوشی کا اظہار کیا

ہے۔ ان میں جرمن تنظیم شیڈن فرائیڈ (Schadenfreude) اورعرب تنظیم شماتہ شامل ہیں تاہم عام مسلمانوں نے القاعدہ کی اس ظالمانہ کارروائی کی مذمت کی ہے۔ انہیں القاعدہ کے نقطۂ نظر اور طریقِ کار سے اختلاف ہے۔ اس اختلاف کرنے والوں میں جہاد کے بعض حامی اور مذہبی قوم پرست بھی شامل ہیں۔ جہاد کا فتویٰ اس وقت جاری کیا گیا تھا جب ۱۹۷۹ء میں روس افغانستان میں (ببرک کارمل کی دعوت پر) گھس آیا تھا۔ یہ فتویٰ پوری عرب اور اسلامی دنیا میں جاری ہوا جس کے نتیجے میں ہزاروں افراد دنیا بھر سے گروہ در گروہ افغانستان پہنچ کر جہاد میں حصہ لینے لگے۔ جب اس کے برعکس ۲۰۰۱ء میں امریکہ افغانستان میں داخل ہوا تو سیاسی ماہر اور سوشل سائنس دان فواز جرجیز (Fawaz Gerges) کے بقول ایک پراسرار خاموشی پوری ملت اسلامیہ پر طاری ہوگئی اور صرف جہاد پسندوں کی ایک معمولی تعداد امریکہ کے خلاف صف آرا ہوئی۔ دوسرے جہادی القاعدہ کو گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد کے حالات کا ذمہ دار ٹھہرانے لگے اور اس کی کارروائیوں کو غیر دانش مندانہ اور مناسب منصوبہ بندی سے عاری قرار دینے لگے۔

دنیا بھر کی حکومتوں نے گیارہ ستمبر کے بعد ان جہادی تنظیموں کے خلاف جنگ میں امریکہ سے تعاون کیا ہے تو اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ امریکہ کے باہر ان تنظیموں نے کارروائیاں کی ہیں لہٰذا ایک طرح کے احساس عدم تحفظ نے مختلف ممالک کو اس مسئلے میں متحد کر دیا ہے۔ مثلاً ۲۰۰۲ء بالی کے مقام پر تباہ کن بم دھماکے نے انڈونیشیا کو خود کار طریقے سے دہشت گردی کے مخالف گروہ میں لا کھڑا کیا۔ جب اس کارروائی میں ملوث یا مشکوک لوگوں کو گرفتار کیا گیا اور ان میں سے اکثر پر جرم ثابت ہوگیا تو اس سے انڈونیشیا کے سب سے بڑے جہادی گروہ کی صلاحیت کار میں خاصی کمی آئی کیونکہ اس کا ایک ایسا سرپرست بھی گرفتار کر لیا گیا تھا جو اس سے قبل ملک کی اہم اور مقبول سیاسی شخصیت تھی۔ یہ جہادی گروہ جماع اسلامیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح جب ۲۰۰۳ء میں دہشت گردوں نے سعودی عرب میں سعودیوں کو نشانہ بنایا تو سعودی عرب کو اندرون ملک دہشت گردوں سے خود اپنے تحفظ کے لیے بھی سختی اور سنجیدگی سے نمٹنا پڑا جس کے نتیجے میں بعض مذہبی انتہا پسند اور مبلغین جہاد زد میں آ گئے۔ اسی طرح کاسابلانکا کی دہشت گرد کارروائیوں نے مراکش کے ذمہ داروں کو سنجیدگی سے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شامل ہونے پر اکسایا۔ ایسی ہی مثال ۲۰۰۵ء میں اردن میں ہونے والے اس بم دھماکے کی ہے

جوایک ہوٹل میں کیا گیا جہاں ایک شادی کی تقریب ہو رہی تھی۔شاید اس سے زیادہ احمقانہ ہدف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ان اردنی عوام کا تناسب جو بن لادن کو ایک مجاہد سمجھتے تھے ۲۵ فیصد سے کم ہو کر ایک فیصد سے بھی کم رہ گیا۔

## خطرے کا ادراک

بیرون امریکہ دہشت گردوں کے خلاف تادیبی کارروائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ میں دہشت گردی کی کارروائیاں نہ ہونے کا تعلق دہشت گردوں کی دانش مندی یا حکومتی اداروں کی تفتیش کی نااہلی جیسے عوامل سے نہیں بلکہ شاید اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ امریکہ کے اندر یا تو کوئی دہشت گرد ہے ہی نہیں یا ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو بیانات ہم القاعدہ کے ممکنہ خطرے کے بارے میں سنتے ہیں ان میں صداقت سے زیادہ مبالغے سے کام لیا گیا ہو۔حقیقت تو یہ ہے کہ دہشت گرد محض چاہنے سے کوئی بڑی کارروائی نہیں کر سکتے۔

جرجیز کا کہنا ہے کہ اعتدال پسند مسلمانوں نے جو بھاری اکثریت میں ہیں گیارہ ستمبر کے واقعے سے قبل ہی پر تشدد ردعمل سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ البتہ اسرائیل کے خلاف ان کی نفرت میں کمی نہیں آئی اور اس کے خلاف ہر طرح کی کارروائی کو جائز سمجھا جاتا تھا۔ اور جو لوگ اب بھی پر تشدد کارروائیوں میں مصروف ہیں وہ ایک معمولی سے گروپ کی صورت میں ہیں جن کی تعداد بے حد محدود ہے۔ اس گروہ میں بھی بہت سے ایسے ہیں جو اپنی کارروائیاں صرف اقتدار پر ناجائز طور پر قابض مسلمان حکمرانوں کے خلاف جائز سمجھتے ہیں اور بہت دور موجود دشمن کے خلاف کارروائیوں کو غیر منطقی، غیر دانش مندانہ اور جہادی تحریک کو نقصان پہنچانے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ خصوصاً یہ گروہ یورپ اور امریکہ کے اندر کی جانی والی کارروائیوں کے حق میں نہیں ہیں۔ اس لحاظ سے گیارہ ستمبر کو القاعدہ کی ایسی کارروائی قرار دینا چاہیے جو ان کی مایوسی، احساس تنہائی، کہولت، اور زوال کی علامت ہے نہ کہ ان کی قوت اور صلاحیت جنگ کی۔

البتہ ان حملوں سے (جو بیرون امریکہ ہوئے ہیں) یہ ظاہر ہوتا ہے کہ القاعدہ کے کم از کم ۱۱۹ ارکان ایسے ہیں جو جنگی کارروائیوں کو دہشت گردی کی صورت میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اور اس سے بھی

انکار شاید ممکن نہ ہو کہ امریکہ پر حملے کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں۔ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ القاعدہ محض ایک دہشت گرد ٹولہ ہی ہے۔ علاوہ ازیں جب یہ لوگ دنیا کے کسی دوسرے حصے کو اپنی ''جہادی'' سرگرمیوں کا نشانہ بنائیں گے تو ان میں سب سے پہلا امکان چیچنیا ہوگا اور دوسرا امریکہ۔ اگر امریکہ نے ایران پر یکطرفہ حملہ کر دیا تو اس امر کا قوی امکان ہے کہ ایران خاصی قوت کے ساتھ جوابی کارروائی کرے گا اور شاید اسے اسلامی دنیا کی بھاری اکثریت کی امداد اور ہمدردی بھی حاصل ہو۔ اس کے نتیجے میں افغانستان اور عراق میں مصروف کار جہادی تنظیموں کی معاونت بھی ایران کو حاصل ہو جائے گی اور اس طرح یہ اسرائیل کے خلاف کارروائی کرنے کے علاوہ دنیا بھر میں امریکی مفادات اور تنصیبات کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔

البتہ ایسے وقیع خطرات کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بھی خیال رکھا جانا چاہیے کہ القاعدہ یا اس جیسی تنظیموں کا افغانستان اور عراق میں نشانہ بننے والے امریکیوں کی تعداد اتنی بھی نہیں جتنی ہر سال وہاں باتھ ٹب میں ڈوب کر مر جانے والوں کی ہے۔ اور اس طرح دہشت گردی کے خطرے سے دوچار امریکیوں کا تناسب ایک کے مقابلے میں ۸۰ ہزار کا ہے یعنی ایسی ۸۰ ہزار کارروائیوں کے بعد ایک کارروائی میں امریکیوں کے مرنے کا امکان ہوگا۔ اور یہ تناسب کسی دمدار ستارے یا شہاب ثاقب کے زمین پر گرنے سے مرنے والوں کا ہوسکتا ہے۔ اگر آئندہ پانچ سال تک گیارہ ستمبر کے معیار کی کارروائیاں امریکہ میں ہر تین ماہ بعد ہونے لگیں تو ان میں امریکیوں کے مرنے کا امکان کل آبادی کے اعشاریہ صفر صفر دو (یعنی ہر ۵ ہزار میں سے ایک) کا ہوگا۔

اگرچہ یہ سب کچھ کہنا ایک طرح کی بدعقیدگی ہے مگر شواہد یہی بتاتے ہیں کہ ملک میں ہر طرف ایک دہشت گرد کی موجودگی کا واویلا اُس کیفیت سے بھی بڑھ گیا ہے جب پرل ہاربر پر ہونے والے حملے کے بعد ہر جاپانی سے سرد جنگ کے دوران (خصوصاً سپتنک خلائی مشن کے بعد) ہر روسی دیو قامت معلوم ہوتا تھا۔ ورنہ یہ سچ ہے کہ امریکہ کی حدود میں القاعدہ کے دہشت گردوں کی موجودگی کے خطرے کو ہزار گنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ گیارہ ستمبر کے واقعے سے لے کر جس طرح کا داخلی حفاظتی نظام بنایا گیا ہے اور جس قدر امریکی حکومت ٹیکسوں کے ذریعے جمع کی گئی عوام کی دولت دونوں ہاتھوں سے لٹا رہی ہے یہ سب کچھ ایک ایسے دشمن کے لیے کیا جا رہا ہے جس کا شاید امریکہ میں وجود ہی نہیں۔